OPEN ACCESS
ABHATH
(Research Journal of Islamic Studies)
Published by: ***Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore.***

ISSN (Print) : 2519-7932
ISSN (Online) : 2521-067X
July-September-2024
Vol: 9, Issue: 35
Email:abhaath@lgu.edu.pk
OJS:https://ojs.lgu.edu.pk/index.php/abhath/index

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قلت روایت سے متعلق اعتراضات کا تجزیاتی مطالعہ

Analitical Study of Objections on Ḥadhrat Abu Bakr Siddiq's Qillat Rewāyat

Razia Shabana
Associate Professor, Institute of Islamic Studies, Bahauddin Zakaria University, Multan:raziashabana@gmail.com
Saira Taiba
Assistant professor, institute of Islamic Studies, Bahauddin Zakaria University, Multan:sairaafzal524@gmail.com

Abstract:
As a source of Islamic law, the word Ḥadīth is not a necessary introduction in academic circles. It has fundamental importance in Islām. The companions of The last Prophet used to say by name, "Did we see the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) doing this?" Sometimes they used to say that we used to do this during the time of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) and sometimes it happened that the companions' religious deeds were considered a sign of the teachings of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him). When the knowledge of Ḥadīth became embedded in books and writings, it did not require hard work in memorizing it orally and copying it, which was very important from a religious and scholarly point of view before the formal editing of this knowledge. But this does not mean that the principle of oral transmission and tradition does not remain, but it is a fact. It continued to be transmitted to the living disciples, but this natural rotation of circumstances and the principled convenience of the writings of Ḥadīth left only oral memory behind, collections of Ḥadīth s were prepared, guidance was obtained from the Ḥadīth after the Qur'an. If there was room for doubt, the companions of the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) would have been consulted. Despite this, mu'tarzin left no stone unturned to prove to you the disbelievers.

Keywords: Objections, Ḥadhrat Abu Bakr Siddique, Qillat Rewāyat

قانون اسلامی کے مآخذ کی حیثیت سے لفظ حدیث علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، اسلام میں اسے اساسی اہمیت حاصل ہے. علوم اسلامی میں حدیث کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے، اور حق یہ ہے کہ اسے جانے بغیر اسلام کا کوئی موضوع مکمل نہیں ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قدسیہ (جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سکوت سے منظوری دی ہو) صحابہ کرام کی زبان سے آگے بیان ہوں یا ان کے عمل سے یہ دونوں طریقے نعمت حدیث کو آگے پہنچانے میں برابر کے کار فرما رہے ہیں وہ کبھی نام لے کر کہتے تھے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا؟ کبھی یوں کہتے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایسا کیا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صحابہ کے اپنے دینی اعمال ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نشان سمجھے جاتے تھے اور یہ وہ باتیں تھیں جن میں کسی اجتہاد کی گنجائش نہ تھی۔

جب علم حدیث کتابوں اور تحریرات میں مدون ہو گیا تو اسے زبانی یاد رکھنے اور اس کی نقل روایت میں محنت کی ضرورت نہ رہی جو اس علم کی باقاعدہ تدوین سے پہلے دینی اور علمی نقطہ ء نظر سے بہت ضروری تھی، لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ زبانی نقل وروایت کی اصولی حیثیت باقی نہیں رہی بلکہ یہ حقیقت ہے، تحریرات حدیث اپنے پورے تحفظ کے ساتھ ساتھ زندہ استادوں سے زندہ شاگردوں تک منتقل ہوتی رہی ، لیکن حالات کی اس فطری گردش اور تحریرات حدیث کی اصولی سہولت نے محض زبانی یاداشت کو پیچھے چھوڑ دیا، حدیثوں کے مجموعے تیار کیے گئے، قرآن کریم کے بعد حدیث سے راہنمائی حاصل کی جاتی، اگر شک کی گنجائش پیدا ہوتی تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا جاتا یہ طرز عمل ہمارے سامنے خلفائے ثلاثہ اولی رضی اللہ عنہم نے پیش کیا اس کے باوجود بھی معترضین نے آپ حضرات کو منکرین حدیث ثابت کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی جس سے یہ چیز سامنے آئی کہ قرآن کریم کا ہر فیصلہ ہر حکم واجب العمل اور واجب الاطاعت ہے کیا اسی طرح خلفائے ثلاثہ اولی رضی اللہ عنہم کے نزدیک حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت تھی؟ جس طرح قرآن کریم کی حفاظت میں خدمات سرانجام دیں کیا اس طرح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کی بھی حفاظت فرمائی؟

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نظر میں حدیث کی اہمیت

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کسی مسئلہ کے بارے میں حل طلب کیا جاتا تو پہلے آپ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے اور پھر حدیث رسول میں ہم سے راہ نمائی حاصل کرتے۔

ابن قیم روایت پیش کرتے ہیں :

كَانَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ إِذَا وَرَدَ عَلَيْهِ حُكْمٌ نَظَرَ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى فَإِنْ وَجَدَ فِيهِ مَا يَقْضِي بِهِ قَضَى بِهِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ نَظَرَ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ وَجَدَ فِيهَا مَا يَقْضِي بِهِ قَضَى بِهِ فَإِنْ أَعْيَاهُ ذَلِكَ سَأَلَ النَّاسَ هَلْ عَلِمْتُمْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِيهِ بِقَضَاءٍ فَرُبَّمَا قَامَ إِلَيْهِ الْقَوْمُ فَيَقُولُونَ قَضَى فِيهِ بِكَذَا وَكَذَا. فَإِنْ لَمْ يَجِدْ سُنَّةً سَنَّهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ رُؤَسَاءَ النَّاسِ فَاسْتَشَارَهُمْ، فَإِذَا اجْتَمَعَ رَأْيُهُمْ عَلَى شَيْءٍ قَضَى بِهِ[1]۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فیصلہ آتا تو پہلے کتاب اللہ میں غور کرتے ،اگر اس میں فیصلہ کرنے کے لئے حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ میں نہ پاتے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں غور و فکر کرتے، اگر وہاں کوئی حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے، اگر سنت رسول میں دشواری پیش آتی تو لوگوں سے دریافت کرتے کہ کیا تمہیں علم ہے کہ اس معاملہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فیصلہ فرمایا ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا کہ لوگ کھڑے ہو جاتے اور بتلاتے کہ اس معاملہ میں آپ نے ایسا اور ایسا فیصلہ دیا ہے، اگر اس مشکل میں آپ کے کسی فیصلہ کا علم نہ ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ لوگوں میں جو راہنمائی اور سیادت و قیادت کا منصب رکھتے تھے، ان کو جمع کرتے اور ان سے مشورہ لیتے، جب کسی ایک رائے پر اتفاق ہو جاتا، تو آپ رضی اللہ عنہ اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مسئلے کا حل

بیہقی لکھتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب حدیث رسول صلی اللہ وسلم سے مسئلہ کا حل مل جاتا، تو آپ رضی اللہ عنہ خوشی سے یہ جملے فرماتے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ فِينَا مَنْ يَحْفَظُ عَلَ نَبِيِّنَا۔[2]

---

[1] ابن قیم محمد بن ابی بکر (۱۹۹۱ء) اعلام الموقعین، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ج ۱، ص ۵۰،۴

Ibn Qayyim Muhammad ibn Abi Bakr (1991), A'lam al-Muqayīn, Beirut, Dar-ul-Kutub al-Ilmiyyah, vol. 1, pp. 50,4

[2]۔ بیہقی ابو بکر احمد بن الحسین بن علی (۲۰۰۳) السنن الکبری، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ج ۱۰، ص ۱۹۲۶، کتاب آدب القاضي، باب مایقتضي بہ القاضي، رقم: ۲۰۳۴۱

Bahqī Abu Bakr Ahmad bin Al-Ḥusayn bin Ali (2003) al-Sunan al-Kubra, Beirut, Dar-ul-Kutub al-Ilmiyyah, vol. 10, p. 1926, no. 20341

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم میں سے ایسے لوگوں کو باقی رکھا ہے جن کے سینوں میں ہمارے نبی صلی اللہ وسلم کی سنت محفوظ ہے"۔

اتباع رسول صلی اللہ وسلم کی اعلیٰ مثال

آپ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کا جب حلف اٹھایا، اور خطبہ دیا کہ جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سنت پر عمل پیرا رہوں اس وقت تک میری پیروی کرنا اگر میں دامن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم چھوڑ دو تو میری اطاعت تم پر لازم نہیں۔ اس ضمن میں معمر نے آپ کے الفاظ نقل فرمائے:۔

أَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ، فَإِذَا عَصَيْتُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ".[3]

میری اطاعت کرو جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی اطاعت پر کاربند رہوں، جب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ وسلم کی نافرمانی کروں تو پھر میری اطاعت تم پر لازم نہیں ہے"۔

نازک صورتحال میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے فیصلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام میں نزاع پیدا ہوا کہ آپ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو کہاں دفن کیا جائے اس بارے میں صحابہ کرام کا رجحان مختلف مقامات کی طرف تھا، کسی نے کہا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بیت المقدس میں دفن کیا جائے، کسی نے کہا کہ آپ کو مکہ مکرمہ میں دفن کیا جائے، کسی نے کہا کہ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا جائے، کسی نے کہا آپ کو منبر کے پاس دفن کیا جائے، کسی نے کہا آپ کو اس جگہ دفن کیا جائے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کھڑے ہو کر امامت کرواتے تھے۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سنا کر اس نزاع کا خاتمہ کر دیا۔ ترمذی فرماتے ہیں۔

" مَا قَبَضَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيهِ ."[4]

---

[3] معمر بن ابي عمر وراشد (۱۴۰۳ھ) جامع معمر بن راشد، بیروت، المجلس العلمي باکستان، وتوزیع المکتب الاسلامی، ج ۱۱، ص ۱۳۳۶ رقم: ۲۰۷۰۲

Mu'ammar b. Abi 'Umar al-Rashid (1403 A.H.), Jami Mu'ammar b. Rashid, Beirut, Al-Majlis al-Ilmiyyah, Muktab al-Islāmī, vol. 11, p. 1336, 20702

[4] ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، (۱۹۹۸) السنن، بیروت، لبنان: دار العرب الاسلامی، ج ۲، ص ۳۲۹، أبواب الجنائز، باب ماجاء في دفن النبي صلی اللہ علیہ وسلم ،باب نفقة القيم للوقف رقم: ۱۰۱۸

"اللہ تعالی نبی کی روح اس جگہ قبض کرتا ہے جہاں پر اس کا دفن ہونا پسند کرتا ہے"۔

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ وسلم کی وفات ہوئی تو چند روز بعد مسئلہ وارثت نے جنم لیا۔

چنانچہ اس ضمن میں بخاری فرماتے ہیں:۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے (ترکہ میں سے) اپنا حق مانگنے آئے اور وہ دونوں اس وقت فدک کی زمین اور خیبر کی زمین سے اپنا حصہ وصول کر رہے تھے، تو ان دونوں کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:۔

لَانُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ [5]

ہم (گروہ انبیا) وارث نہیں بناتے بلکہ ہم جو ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے"۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں نے آنحضرت صلی اللہ وسلم کو جو کام کرتے ہوئے دیکھا ہے اس کو نہیں چھوڑ سکتا چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملنا جانا چھوڑ دیا اور ان سے گفتگو چھوڑ دی یہاں تک کہ وفات پا گئیں"۔

معترضین ومنکرین حدیث اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بات ماننے سے انکار کیوں کیا؟ اور ساتھ ہی یہ اعتراض بھی نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مرتے دم تک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی اور نہ ہی ملاقات کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تمام طرق احادیث اسی مسئلہ پر جمع کیے جائیں تو یہ سارے اعتراضات کالعدم ہو جاتے ہیں۔

رہی بات اس مسئلہ کی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ حدیث ماننے سے انکار کیوں کیا؟ اس بات کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی اسی وجہ سے تو انہوں نے وراثت مانگی لیکن جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں حدیث بتائی تو پھر انہوں

Al-Tirmidhi, Abu Isa Muhammad bin Isā, (1998) al-Sunan, Beirut, Lebanon: Dar al-Arab al-Islami, vol. 2, p. 329.

[5] بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (۱۴۲۲ھ) صحیح البخاری، کتاب الاعتصام باب في صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دار طوق النجاۃ، ج۴، ص۷۹، رقم:۳۰۹۲

Al-Bukhārī, Abu 'Abd Allah Muhammad ibn Isma'il Al-Bukhārī (1422 AH), Saḥīḥ al-Bukhārī, Dar-ul-Tuq al-Naja'ah, vol. 4, p. 79, no. 3092

نے وراثت کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی روایت میں موجود ہے کہ انہوں نے حدیث سننے کے بعد حدیث کی مخالفت کی ہو۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

فَهَجَرَتْهُ فَاطِمَةٌ فَلم تكلمه حَتَّى مَا تَت وَوَقَعَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ شَبَّةَ مِنْ وَجَدٍ آخر عَنْ مَعْمَرٍ فلَمْ تُكَلِّمُهُ فِي ذَلِكَ الْمَالِ".[6]

فاطمہ رضی اللہ عنہانے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ترک کی اور مرتے دم تک ان سے گفتگو نہ کی (معمر سے بطریق یہ روایت ہے کہ) جس روایت میں یہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہانے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو نہ کی اس سے مراد یہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہانے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وراثت کے مال کے بارے میں گفتگو نہ کی۔یعنی وراثت کے مسئلے پر گفتگو نہ کی لہذا اگر کوئی ان باتوں سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مطلق ناراضگی مراد لے گا تو یہ غلط ہے، کیونکہ دوسری روایت اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہاسے گفتگو بھی فرمائی اور ان سے ملاقات بھی کی۔ بیہقی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پیش کرتے ہیں:۔

لما مرضت فاطمة أتاها أبو بكر الصديق فاستأذن عليها ، فَقَالَ عَلى يَا فَاطِمَةٌ هَذَا أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهِ ؟ فَقَالَتْ أَتُحِبُّ أَنْ آذَنَ لَهُ؟ قَالَ نَعَمْ فَأَذِنَتْ لَهُ فَدَخَلَ عَلَيْهَا يَتَرَضَاهَا[7]

جب فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے اور آنے کی اجازت طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا فاطمہ رضی اللہ عنہا، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں آپ رضی اللہ عنہا سے ملنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، فاطمہ رضی اللہ عنہانے فرمایا کیا آپ رضی اللہ عنہ ان سے ملاقات کی اجازت دیں گے ؟ تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں پس وہ تشریف لائے اور ان کو راضی کیا۔

---

6 عسقلانی، ابن حجر احمد بن علی (۱۳۷۹ھ) فتح الباری شرح صحیح البخاری، کِتَابُ فَرْضِ الْخُمُسِ، باب أداء الخمس من الدین، ج ٦، ص ١٦٤، رقم:٣٠٩

Al-Asqalani, ibn -Hajar Ahmad ibn 'Ali (1379 AH), Fath al-Bari Sharh Sahih al-Bukhārī, Beirut, Dar al-Mu'rifa, vol. 6, p. 164, r. 309

7 بیہقی، ابو بکر، احمد بن الحسین بن علی (۲۰۰۳) السنن الکبری، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بابُ بَیانِ مَصرِفِ أَربَعَةِ أخماسِ الفَیءِ بعدَ رسولِ اللہِ۔ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ، کتابُ قَسْمِ الفَيْءِ والغنیمةِ ج ٦، ص ٤٩١، رقم:١٢٧٣٥۔

Al-Bahiqi, Abu Bakr, Ahmad ibn al-Husayn b. 'Ali (2003), al-Sunan al-Kubra, Beirut, Dar-ul-Kutub al-Ilmiyyah, vol. 6, p. 491.

سنت رسول صلی ﷺ کے خلاف چلنے والوں کے ساتھ اعلان جنگ

رسول صلی اللہ وسلم کی رحلت کے بعد مختلف قبائل نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلافت پر فائز ہوئے زیادہ عرصہ گزرنے نہ پایا تھا کہ مدینہ میں نفاق کی ہوائیں چلنے لگیں بہت سے قبائل مرتد ہو گئے کچھ قبیلے ایسے بھی تھے جنہوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اعلان جہاد کر دیا وہ کہنے لگے ہم نماز پڑھ لیا کریں گے مگر زکوۃ نہ دینگے بعض صحابہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ ان کی بات قبول کر لی جائے اس لئے کہ ابھی آغاز اسلام ہے ان کی تعداد ہم سے بہت زیادہ ہے ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں کے ہمنوا تھے جو ترک جہاد کا مشورہ دے رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے جہاد و قتال کیسے کر سکتے ہیں اور دلیل کے طور پر حدیث رسول صلی اللہ وسلم سنائی اس ضمن میں بخاری فرماتے ہیں۔

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ[8]

مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ میں لوگوں سے لڑوں جہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں جس نے اقرار کر لیا، اس نے اپنی جان و مال محفوظ کر لیا، مگر ہاں جس کے ذمہ اسلام کا حق رہ جائے) تو اس پر تلوار اٹھائی جا سکتی ہے"۔

اس روایت کی روشنی میں حدیث کے متعلق ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ دونوں کا موقف واضح طور پر سامنے آ جاتا ہے، منکرین زکوۃ سے جہاد کے بارے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث رسول سے استدلال کرتے ہیں، اس کے جواب محمد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیا حدیث پیش کر رہے ہو، قرآن لاؤ؟ بلکہ حدیث کو تسلیم کرتے ہوئے، اس کا ایسا مطلب بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس پر مطمئن ہو گئے۔

حضور نبی اکرنے اپنی علالت کے زمانے میں ہی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر روانگی کا حکم دیا وہ مدینہ سے حرف تک پہنچ گئے تھے کہ ان کو خبر دی گئی کہ رسول صلی اللہ وسلم زیادہ علیل ہیں، لشکر نے وہاں پر بھی

---

[8] بخاری، ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل بخاری (۱۴۲۲ھ) صحیح البخاری، بَابٌ: {فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلاَةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ}، كِتَابُ الإِيمَانِ، رقم:۱۳۹۹

Al-Bukhārī, Abu 'Abd Allah, Muhammad ibn Isma'il al-Bukhārī (1422 AH)

پڑواڈال دیااور حضور نبی اکرم کی رحلت کی خبر سن کر وہ لوٹ آئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ منتخب ہوگئے توانہوں نے حضور نبی اکرم کی وفات کے تیسرے دن ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں یہ اعلان کر دے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں سے جہاد کے لئے بھیجنے کا فیصلہ ہو چکا ہے، اس لشکر کا ہر سپاہی مدینہ سے نکل کر جرف کے مقام پر پہنچ جائے جہاں اس لشکر نے پہلے دن پڑواہ کیا تھا.

اس اعلان عام کے بعد صحابہ کرام نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ جن لوگوں کو اس لشکر میں بھیجا جارہاہے، وہ مسلمانوں کے جلیل القدر افراد میں سے ہیں اس نازک وقت میں یہ فیصلہ مناسب نہیں کہ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کو آپ رضی اللہ عنہ اپنے سے الگ کر دیں۔

یہ جماعت یہاں رہے گی تو آپ رضی اللہ عنہ کی مدد گار ثابت ہوگی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیااور فرمایا:۔اس پر طبری نے لکھا کہ۔

وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي بَكْرٍ بِيَدِهِ، لَوْ ظَنَنْتُ أَنَّ السِّبَاعَ تَخَطَّفَنِي لَأَنْفَذْتُ بَعْثَ أُسَامَةَ كَمَا امر به رسول الله ، وَلَوْ لَمْ يَبْقَ فِي الْقُرَى غَيْرِي لأَنْفَذْتُهُ۔[9]

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جان ہے، اگر مجھے یہ یقین ہو کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں تو بھی میں اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ضرور روانہ کروں گا، جس طرح کہ رسول اللہ نے اس کو روانہ کرنے کا حکم جاری فرمایا تھا، اگرچہ ان بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی نہ رہے اور میں تنہارہ جاؤں تو بھی لشکر روانہ ہو گا"۔

چنانچہ اس کے بعد حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بہت سے جلیل القدر صحابہ میرے ساتھ جارہے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ گزارش پیش کریں کہ ان جلیل القدر صحابہ کو واپس مدینہ جانے کی اجازت دے دی جائے، ایک درخواست حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پیش کی جبکہ دوسری درخواست انصار سے تعلق رکھنے والے ان صحابہ کرام نے پیش کی جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھے۔

[9] طبری، محمد بن جریر(۱۳۸۷) تاریخ طبری، بیروت، مکتبہ دار التراث، ج۳، ص۲۲۵
Tabari, Muhammad bin Jarir (1387), Tarikh-e-Tabari, Beirut, Maktaba Dar al-Tarath, vol. 3, p. 225

ثابت ہوا کہ اکثریت کی رائے اگر نص کے مخالف ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہو گا، چنانچہ عام صحابہ کی رائے تھی کہ لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ نہ کیا جائے انہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ قبائل عرب آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کو یہاں سے بھیج کر تنہا کچھ نہیں کر سکتے، یہ کہنے والے عام لوگ نہ تھے بلکہ صحابہ کرام تھے، جو روئے زمین پر انبیاء ورسل کے بعد افضل ترین لوگ ہیں۔

لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے نہ مانی اور یہ واضح فرما دیا کہ ان لوگوں کی رائے کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا فرمان مکرم واجب العمل ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی قلت روایت پر اعتراضات کا پس منظر

نبی کریم صلی اللہ وسلم کی پوری زندگی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظروں کے سامنے تھی، مسجد میں بازار میں گھر میں، سفر میں حضر میں ہر جگہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ وسلم کے ساتھ ہوتے، آپ صلی اللہ وسلم کی حیات طیبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دینی و دنیوی زندگی کے لئے محور کی حیثیت رکھتی تھی، یہی وجہ ہے کہ اس مقدس جماعت کا ہر فرد آپ صلی اللہ وسلم کے افعال واقوال کو جاننے کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتا اور آپ صلی اللہ وسلم کی مجلس علم اور حلقہ درس سے بغیر کسی شدید مجبوری کے غیر حاضر نہ ہوتا، اور اگر کسی ضرورت کے تحت غیر حاضری کا اندیشہ ہوتا تو اپنے کسی ساتھی کو اس بات کا مکلف کرتا کہ وہ مجلس کی باتوں کو محفوظ کر کے اس تک پہنچائے۔

آپ صلی اللہ وسلم کی مجلس میں حاضری کا یہ اہتمام اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صحابہ کرام کی نظروں میں نبی کریم صلی اللہ وسلم کا طریقہ مبارکہ واجب الاتباع تھا، مدینہ منورہ سے دور دراز آباد قبائل احکام اسلام کو سیکھنے کے لئے اپنے قبیلہ کے منتخب افراد کو جناب رسول صلی اللہ وسلم کی خدمت میں بھیجتے، یہ لوگ پروانوں کی طرح شمع نبوت کو گھیرے رہتے۔ آپ صلی اللہ وسلم کی صحبت بابرکت سے فیضیاب ہو کر اپنے سینوں کو گنجینہ علوم نبوت صلی اللہ وسلم سے معمور کر کے معلم ومرشد، ہادی وراہبر بن کر اپنے اپنے علاقوں کو واپس جاتے، اسی طرح خلفائے ثلاثہ اولی کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عندہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی صحابہ تھے جن کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی احادیث کی دولت بے پایاں تھی۔ لیکن وہ روایت حدیث میں زیادہ محتاط رہے اور بہت کم حدیثیں انہوں نے روایت کیں، اُن کی قلت روایت سے اُن کے قلت علم پر استدلال کرنا اسی طرح ایک نادانی ہے جیسے کوئی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قلت روایت پر نظر کرتے ہوئے ان کے قلت علم کا دعوے کرنے لگے۔

امام صاحب کی شروط روایت بھی تو بہت سخت تھیں، یہی وجہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت حدیث کی بجائے فقہ حدیث کو اپنا موضوع بنایا اور اسی پر اپنی ساری عمر صرف کر دی، گو اس ضمن میں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ہزاروں احادیث روایت کرنی پڑیں، یہی احتیاط حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تھی، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد زبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ وسلم سے اس طرح احادیث روایت کیوں نہیں کرتے؟ جس طرح فلاں فلاں صحابہ کرتے ہیں؟

یہ حکم اس لحاظ سے بہت سخت تھا لیکن یہ وقت کی ضرورت کے تحت تھا یہی چیز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تھی، آپ رضی اللہ عنہ کی احتیاط کا منشا یہ تھا کہ حضور صلی اللہ وسلم کی بات روایت بالمعنی میں بدلتے ہوئے کوئی بے احتیاطی نہ ہو جائے، سو آپ حضرات کی قلت روایت قالت علم کی وجہ سے نہ تھی، اور اس کے علاوہ یہ خوف بھی دامن گیر ہوا کہ قرآن و حدیث آپس میں یکجا نہ ہو جائیں، ابتدائی دور میں حضور نبی اکرم صلی اللہ وسلم نے حدیث لکھنے سے منع فرمایا دیا تھا تاکہ عامۃ المسلمین اسے قرآن مجید کے ساتھ غلط نہ کریں۔

نیشاپوری فرماتے ہیں آپ صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَكْتُبُوا عَنِّي، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُه۔"[10]

میری طرف سے کچھ نہ لکھو جس نے میری طرف سے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو تو وہ مٹادے"۔

جب حضور صلی اللہ وسلم کو قرآن کے ضبط و حفظ کے متعلق اطمینان ہو گیا، تو حدیث لکھنے کی اجازت فرمادی.

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طرز حیات و حکومت قرآن و سنت پر مبنی تھا، آپ رضی اللہ عنہا ہر معاملہ کو طے کرنے کے لیے پہلے قرآن کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ اگر اس کا جواب قرآن میں نہ ملا تو پھر حدیث کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ اگر انہیں قرآن و حدیث کوئی چیز نظر نہ آتی پھر ارباب علم دانش کا ایک گروہ طلب فرماتے تھے اور اس بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی کوئی حدیث پوچھتے، مل جاتی تو نہایت خوشی اور مسرت

---

[10] نیشاپوری، ابو الحسن، مسلم بن الحجاج، (سان) صحیح مسلم، بیروت، دار احیاء التراث، ج۳، ص ۲۲۹۸، بَابُ التَّثَبُّتِ فِي الْحَدِيثِ وَحُكْمِ كِتَابَةِ الْعِلْمِ، كِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ رقم ۳۰۰۳

Nishapuri, Abu al-Hassan, Muslim ibn al-Hajjaj, (san) Sahih Muslim, Beirut, Dar Revival of Heritage, vol. 3, p. 2298, Chapter on Verification in Hadith and the Ruling on Writing Knowledge, Book of Asceticism and Chips No. 3003

کا اظہار فرماتے اور اگر کوئی حدیث نہ ملتی تو اہل الرائے سے مشورہ کی روشنی میں فیصلہ فرماتے کیونکہ اسلامی ریاست میں نہ تو کوئی حاکم ہوتا ہے اور نہ کوئی محکوم بلکہ ہر کوئی اپنی جگہ اپنے فرائض انجام دیتا رہتا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قلت روایت سے متعلق اعتراضات اور ان کے پس منظر کی حقیقت کیا تھی، کیونکہ صحابہ کرام میں سب سے پہلے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے طرز عمل کو دیکھا جاتا ہے ذیل میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر لگنے والے الزامات و اعتراضات کا پس منظر بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امتناع حدیث

معترضین کی نظر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حدیث کا انکار کرنے والا کوئی نہ تھا اس حوالے سے وہ اپنی روایات بڑے پختہ دلائل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے انکار حدیث پر امام ذہبی نے ابن ملیکہ کے حوالے سے لکھاہے: ۔

أَنَّ الصِّدِّيقَ جَمَعَ النَّاسَ بَعْدَ وَفَاةِ نَبِيِّهِمْ فَقَالَ إِنَّكُم تُحَدِّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثَ تَخْتَلِفُونَ فِيهَا وَالنَّاسُ بَعْدَكُمْ أَشَدُّ اخْتِلافاً فَلَا تُحَدِّثُوا عَنْ رَسُولِ اللهِ شَيْئاً فَمَنْ سَأَلَكُمْ فَقُولُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ فَاسْتَحِلُّوا حَلَالَهُ وَحَرِّمُوا حرامه۔[11]

ابو بکر صدیق نے نبی صلی اللہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہو، اس میں انداز بیان کا اختلاف رونما ہو جاتا ہے، تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے، ان میں اس سے بھی زیادہ اختلاف ابھرنے کا خطرہ ہے، اس لئے تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہ بیان کیا کرو بلکہ ضرورت پڑنے پر یہ کہہ دیا کرو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ موجود ہے اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیا"۔

اس اقتباس میں درجہ ذیل پہلو قابل غور ہیں:۔

1. اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے روایات بیان کرنے کی ممانعت کر دی تھی تو روایات کا سلسلہ جاری کیسے رہا؟ کیا صحابہ کرام ی اللہ عنہم کی جماعت جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت ہی سمع و اطاعت پر

---

[11] ذہبی، ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن أحمد (۱۹۸) تذکرۃ الحفال، ناشر، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیۃ، ج1، ص9
Al-Dhahabi, Abu 'Abd Allah Shams al-Din Muhammad ibn Ahmad (198) Tazkirat al-Hafal, Publisher, Beirut, Lebanon, Dar-ul-Kutub al-Ilmiyyah, vol. 1, p. 9

کی تھی ایسی ہی نافرمان ہو گئی تھی (نعوذ باللہ) کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ممانعت کے باوجود بھی وہ حدیثیں بیان کرتے اور کتابت کرتے؟

2. اس اقتباس کے بعد بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایات کا سلسلہ بند نہیں کیا جس کا مطلب یہ ہے، کہ صحابہ کو آپ رضی اللہ عنہ کے تاکیدی حکم کی کوئی پرواہ نہ تھی، اور یہ بات (نعوذ باللہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کردار پر بہت بڑا اتہام ہے۔

3. معترضین جو بارہا یہ روایت پیش کرتے ہیں، اس حوالے سے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ہذا میں اپنا تبصرہ بھی پیش کیا ہے اور یہ روایت درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

فَهَذَا المُرسل يدلك على أن مراد الصديق التثبت في الأخبار والتحرى لا سد باب الرواية ألا تزاه لما نزل به أمر الجدة ولم يجده في الكتاب كَيفَ سَأَلَ عَنهُ فِي السَّنَن فَلَمَّا أخبره الثقة لم يكتف حتى استظهر بثقة آخر ولم يقل حسبنا كتاب الله كما تقوله الخوارج". [12]

یہ روایت مرسل ہے، اسکی سند کے آخر میں انقطاع ہے، لہذا یہ حدیث قابل حجت نہیں ابو بکر کی مراد اس میں مزید تثبت اور اطمینان تھا، نہ کہ روایات کا دروازہ بند کرنا، کیونکہ انہوں دادی کی وراثت کے بارے میں حدیث قبول کی تھی اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمیں "کتاب اللہ کافی ہے، جیسا کہ خوارج کا عقیدہ ہے"۔

زرکلی لکھتے ہیں:۔

اس روایت کے راوی عبد اللہ بن عبید اللہ ابی ملیکہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، اس لئے جب تک بیچ کی کڑی معلوم نہ ہو یہ روایت قابل اعتماد قرار نہیں دی جاسکتی، ابن ملیکہ (عبد اللہ بن عبید اللہ) کی وفات 711ھ میں ہوئی جبکہ امام ذہبی (م ۷۴۸) کا دور آٹھویں صدی ہجری کا تھا، درمیان کے راوی غائب ہیں، ان کا ذکر امام ذہبی نے نہیں کیا، ایسی روایت جس میں چھ صدیوں کے راوی ہی غائب ہیں اس پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے [13]۔

---

[12] ذہبی، ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد (۱۹۹۸) تذکرۃ الحفاظ، ج 1، ص 9

Al-Dhahabi, Abu 'Abd Allah Shams-ud-Din Muhammad bin Ahmad (1998), Tazkirat al-Hafaaz, vol. 1, p. 9

[13] زرکلی، خیر الدین بن محمود بن محمد (۲۰۰۲) الاعلام، ناشر، دار العلم للملایین، ج ۳، ص ۱۰۲

Zarqali, Khair-ud-Din bin Mahmud bin Muhammad (2002), Al-A'lam, Publisher, Dar-ul-Ilm al-Lamin, vol. 3, p. 102

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پانچ سو روایات کے مجموعے کو جلا دیا؟

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے جو والہانہ لگاؤ تھا، وہ اظہر من الشمس ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رحلت پر اگرچہ آپ رضی اللہ عنہ نے تحمل، صبر و ثبات اور استقامت کا اظہار فرمایا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرقت نے آپ رضی اللہ عنہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

ابن الاثیر سے روایت ہے:۔

" كان سبب موت أبي بكر الكمد عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ".[14]

ابو بکر کی موت کی وجہ وہ اندرونی سوز و غم تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ان میں پیدا ہو گیا تھا"۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مسند آرائے خلافت ہوتے ہی اپنے سامنے، مشکلات اور خطرات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا، ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تھے، دوسری طرف مرتدین اسلام کی ایک جماعت علم بغاوت بلند کئے ہوئے تھی، منکرین زکوۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی، ان دشواریوں کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مہم بھی درپیش تھی جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا، اس مہم کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رائے دی کہ اس کو ملتوی کر کے پہلے مرتدین وکذاب مدعیان نبوت کا قلع قمع کیا جائے۔

ہر لمحہ اضطراب اور ہر دم سوز و غم آپ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت بن گئی، شاید آپ رضی اللہ عنہ نے اس سوزش غم کی تسکین کیلئے یہ تدبیر سوچی ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو معلومات آپ رضی اللہ عنہ کے حافظے میں محفوظ تھیں، ان کو قلمبند کر کے خاطر جمعی کا انتظام کریں، اتنا وقت انہوں نے نکالیا کہ پانچ سو حدیثوں کا مجموع تیار کر لیا، لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے وصال سے قبل اس ذخیرہ حدیث کو جلا دیا۔

ذہبی سے روایت ہے:۔

جمع أبي الحديث عن رسول الله فكانت خمسمائة حديث فبأت ليلة يتقلب كثيرا. قالت فغمني فقلت التقلب الشكوى او لشيء بلغك فقلت فقلت أنتقلب الشكوى أو لشيء بلغك؟ فلما

---

[14] ابن الأثیر، عزالدین، أبو الحسن علی بن أبي الکرم (۱۹۹۴ء) أسد الغابة في معرفة الصحابة، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج۳، ص ۴۲۳

Ibn al-Athir, Az al-Din, Abu l-Hasan Ali ibn Abi al-Karam (1994), Asad al-Ghaba fi Marifat al-Sahaba, Beirut, Dar-ul-Kutub al-Ilmiyyah, Beirut, vol. 3, p. 423

أصبح قال أي بنية على الأحاديث التي عندك فجئتد بها قدما بنا لحرقها فقلت لم أحرقتها؟ فالخَشِيتُ أَنْ أَمُوتَ وَفِي عِندَةٍ فَيَكُونُ فِيهَا أَحَادِيثُ عَنْ رَجُلٍ اءتَمَنْتُهُ وَوَثِقْتُ بِهِ وَلَمْ يَكُنْ كَمَا حَدَّثَنِي، فَأَكُونُ قَدْ تَقَدَّدْتُ ذَلِكَ[15]

میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے حدیثیں جمع کر رکھی تھیں، جو پانچ سو تھیں اور ایک رات جب وہ لیٹے تو بکثرت کروٹ بدلتے رہے جس نے مجھے غم زدہ بنا دیا میں نے عرض کیا آپ کو کوئی تکلیف یا عارضہ لاحق ہے کہ کروٹ بدل رہے ہیں؟ اور جب صبح ہوئی تو فرمایا نہ بیٹی اور حدیثیں جو تمہارے پاس ہیں لاؤ میں انہیں لے آئی اور انہوں نے آگ طلب کی اور اس سے ان کو جلا دیا اور فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ دامن گیر ہو گیا تھا کہ میں مر جاؤں اور وہ تمہارے پاس موجود رہیں، اور ان میں ایسے شخص کی حدیثیں ہوں، جن پر میں نے اعتماد اور بھروسہ کیا ہے۔ او وہ اس طرح نہ ہوں جیسی انہوں نے مجھ سے بیان کی ہیں، اور اس کا وبال میرے اوپر آئے۔

کیا یہ مجموعہ احادیث سب سے زیادہ قابل اعتماد تھا؟، لیکن پھر بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے جلا دیا کیا احادیث میں تحریف ہو چکی تھی؟ کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مجموعہ حدیث کی صحت پر مطمئن نہیں تھے ؟، لیکن یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ تحریف کرنے والے تھے کون؟ کیا پانچ سو احادیث بھی ایسی نہ تھیں جو کہ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوں کیا ان روایات میں کوئی سلسلہ اسانید تھا؟ جس میں کذاب و وضاع راویوں کی بھرمار تھی؟ کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی صادق القول راوی دستیاب نہ ہو سکا؟ یہ روایت جس طرح عقلاً باطل ہے اسی طرح انتقام بھی کذب اور جھوٹ ہے۔

ان سارے سوالات کا جواب مل سکتا ہے اگر مجموعہ حدیث کی سند پر غور کیا جائے تو کافی سارے ابہام دور ہو سکتے ہیں۔ اس روایت کو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ "حاکم" نقل کیا ہے:۔

ابو عبد اللہ حاکم کہتے ہیں: ہم سے بکر بن محمد نے مرو (جگہ کا نام) میں بیان کیا، کہا: ہم سے موسیٰ بن غسان نے بیان کیا کہا: ہم سے علی بن صالح نے بیان کیا، کہا: ہم سے موسی بن عبد اللہ بن حسن بن حسن نے ابراہیم بن عمرو بن عبید اللہ تمیمی سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا، کہا: ہم سے قاسم بن محمد نے بیان کیا انہوں نے کہا، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: آگے روایت شروع ہو جاتی ہیں۔

[15] ذہبی، ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد (۱۹۹۸ء) تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص 11 ۲۹۔
Al-Dhahabi, Abu 'Abd Allah Shams-ud-Din Muhammad bin Ahmad (1998), Tazkirat al-Hafaaz, Publisher, Beirut, Lebanon, Dar al-Katab al-Ilmiyyah, vol. 1, p. 11,29.

اس روایت کے درجہ ذیل پہلو غور طلب ہیں ۔

- اس روایت کے کچھ راویوں کا تذکرہ کتب رجال میں نہیں ہے۔
- کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ میں یہ روایت نقل کی ہے، اور اس پر یہ تبصرہ کیا ہے:۔

فہذا لا یصح واللہ اعلم　یہ روایت صحیح نہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے"۔

- میں اس روایت کی سند میں ایک راوی "علی بن صالح" ہے، جو مجہول ہے، حافظ ابن حجر کا قول ہے "علی بن صالح چادر فروش تاجر تھا۔ گیارہویں طبقہ کا مجہول روای ہے"۔
- ابن عساکر فرماتے ہیں: دوسرا راوی مفصل بن حسان ہے۔ جو مجہول اور غیر مقبول ہے۔

ذہبی فرماتے ہیں:۔ تیسرا راوی "موسی بن عبد اللہ ہے۔ جس پر جھوٹ بولنے کا الزام ہے۔ لیکن "موسی بن عبد اللہ کو عام اللہ نے "رجل صالح" اور امام ابن معین نے "مجھے "ثقتہ قرار دیا ہے، مذکورہ بالا توثیق کے مقابلے میں جرح مفسر ہے۔ کیونکہ راوی "متھم" ہے۔ لہٰذا ایسے راوی کا ضعف ہی شمار ہوتا ہے۔[16]

سخاوي فرماتے۔

خشيتُ أَنْ أَمُوتَ وَهِيَ عِنْدَک فَيَكُونُ فِيهَا أَحَادِيثُ عَنْ رَجُلٍ اعْتَمَنْعُهُ وَوَيَقْتُ بِهِ وَلَمْ يكُن كَمَا حَدَّثَنِي، فَأَكُونُ قَدْ تَقَلَّدْتُ ذَلِكَ فهذا لا يصح".[17]

"مجھے ڈر ہے کہ میں مر جاؤں، اور وہ نسخہ میرے پاس ہو، اور اس میں ایسے آدمی سے احادیث مروی ہوں گی، جیسے میں نے معتبر اور ثقہ سمجھا ہو لیکن ممکن ہے، وہ ایسا نہ ہو جس طرح اس نے مجھ سے بیان کیا اور میں نے اسے نقل کیا ہو، اس لئے یہ درست نہیں"۔

---

[16] ذہبی، ابو عبد اللہ، شمس الدین، محمد بن أحمد بن عثمان (۱۹۹۳ء) میزان الاعتدال في نقد الرجال، بیروت، دار المعرفة للطباعة والنشر، ج ۴، ص 211

Al-Dhahabi, Abu 'Abd Allah, Shams al-Din, Muhammad b. Ahmad b. 'Uthman (1993), Mizan al-Sadr fi Naqad al-Rijal, Beirut, Dar-ul-Ma'rafa al-Taba'ah wa'l-Nashr, vol. 4, p. 211

[17] سخاوی، ابو الخیر، شمس الدین، محمد بن عبد الرحمن، (۲۰۰۳) فتح المغیث بشرح الفية الحديث للعراقي، مصر، مكتبة السنترح ۲، ص ۱۳۶

Sakhawi, Abu al-Khair, Shams-ud-Din, Muhammad b. 'Abd al-Rahman, (2003) Fath al-Mugheeth Bashar al-Fi'ah al-Hadeeth al-Iraqi, Egypt, Maktaba al-Santar, vol. 2, p. 136.

اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سمجھ میں آیا کہ رات بھر والد محترم بے چینی کے ساتھ کروٹیں جو بدل رہے تھے۔ اس کا سبب ذخیرہ حدیث تھا۔ ذہبی لکھتے ہیں:۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر احتیاط تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف جھوٹی بات منسوب نہ ہو جائے، حقیقت یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ احادیث کو شکوک وشبہات سے دور رکھنا چاہتے تھے"۔[18]

خلاصہ بحث

اس ساری بحث کا اگر خلاصہ بیان کیا جائے، تو درجہ ذیل پہلو لکھتے ہیں، جن کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجموعہ احادیث کو جلا دیا وہ یہ ہیں:۔

1۔ کمال احتیاط 2۔ بلا تحقیق روایت کا خاتمہ 3۔ حفاظت حدیث کا فروغ 4۔ حدیث میں مشکوک وشبہات کا مکمل خاتمہ۔ حدیثوں کے کتابی ذخیرے کی تحریق یا نذر آتش کرنے کا مسئلہ اس لیے در پیش آیا، تاکہ آئندہ مسلمانوں کی زندگی میں تنگی کی وجہ یہی احادیث نہ بن جائیں، اس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اس کتاب کو جلا کر خطرے کا انسداد فرمایا: آپ رضی اللہ عنہ کے پیش نظر صرف احتیاط حدیث کا پہلو تھا، تاکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف جھوٹی بات منسوب نہ ہو جائے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں، کہ ابتدائے اسلام میں احادیث قلمبند نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں کاغذ دستیاب نہ تھا لکھنے والے میسر نہ تھے یا جہاد وغیرہ کے مشاغل کی وجہ سے اس قسم کے عملی کام کے مواقع نہیں تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا عمل ان سارے احتمالات کا رد ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

[18] ذہبی، ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد (۱۹۹۸) تذکرۃ الحفاظ، ج1، ص11
Al-Dhahabi, Abu 'Abd Allah Shams al-Din Muhammad bin Ahmad (1998), Tazkirat al-Hafaaz, vol. 1, p. 11